پروفیسر خالد شبیر احمد

علامہ اقبالؒ اور حکومتِ الٰہیہ

مجلس احرارِ اسلام ہند نے ۲۶ر اپریل ۱۹۴۳ء کو سہارن پور میں اپنے ایک اہم صوبائی اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی، جسے ''قراردادِ حکومتِ الٰہیہ'' کا نام دیا گیا۔ اس قرارداد کی چند اہم باتیں مندرجہ ذیل تھیں۔

(۱)　مجلس احرار اسلام واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ کسی جغرافیائی، نسلی یا لسانی حدود کو قائم کرنا یا برقرار رکھنا مسلمانوں کا مذہبی یا حقیقی اور قطعی فریضہ ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ہر حالت میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنا، دنیا میں نیکی سے رہنا، نیکی سے تعاون کرنا، نیکی کی حکومت قائم کرنا اور نیکی کو رواج دینا۔ خلقتِ انسان کی خداوندی، حکمت و مصلحت ہے اور مجلس احرار اسلام دنیا کے جس حصے پہ بھی ممکن ہو، حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی خواہاں ہے۔ تاکہ دنیا کو دکھایا جا سکے کہ اسلام کے زریں اصولوں پر کاربند ہو کر کس طرح دنیا کے مصائب کا علاج کیا جا سکتا ہے اور دنیا اور آخرت میں فلاح کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے۔

(۲)　اس صورت میں مجلس احرار اسلام یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ کسی علاقے میں محض مسلمانوں کی اکثریت یا افراد کے ہاتھوں میں حکومت کا آ جانا حکومتِ الٰہیہ کے مترادف نہیں بلکہ ایسی شخصی یا جماعتی حکومتوں نے جو اسلام کے نام پر اپنی اغراض کی تکمیل کے درپے ہیں، اسلام کے روئے روشن پر دھبہ لگایا اور دنیا کو اسلام سے متنفر ہونے کی گنجائش دی۔ مجلس احرار اسلام کسی ایسے تجربے کو دہرانے کے لیے مسلمانوں کے دین سے بے بہرہ کسی جماعت یا گروہ کے ہاتھ میں حکومت دے کر مطمئن نہیں ہو سکتی اور وہ مسلمانوں سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ وہ اس بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا فوری اور کلّی احساس کریں اور اپنی نگاہ سے حکومت الٰہیہ کو الحاد و زندقہ کے فروغ کا موقع نہ دیں بلکہ سب مسلمانوں کو اطاعتِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کمربستہ ہونے کی تلقین و تاکید کریں۔

اس قرارداد کے منظور ہونے پر ملک کے مفاد پرست عناصر جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے مجلس احرار اسلام کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ خصوصیت کے ساتھ مسلم لیگ کے اس وقت کے رہنما اور رضا کار اس قرارداد پر تنقید کرنے میں سب سے آگے تھے۔ حالانکہ خود مسلم لیگی رضا کاروں کے لب پر وہی ایک نعرہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الٰہ الا اللہ؟ بہرحال یہ بات تو وقت نے ثابت کر دی کہ یہ نعرہ محض ایک فریب اور دھوکا تھا۔ دراصل جن لوگوں نے اس وقت قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان میں خلفاء راشدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے حق حکمرانی ادا کریں گے، ان کی تمام زندگی کے تمام تر معمولات میں اسلام نام کی کوئی شے کسی کو سرے سے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ بلکہ اب تو صورت حال یہاں تک تبدیل ہو گئی کہ جو اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرے انہیں گولیوں کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اب ان مفاد پرست حکمرانوں کے ہاں

اسلام کا نام لینا انتہا پسندی ہے۔ان کے ہاں یورپی معاشرہ ہی ایک آئیڈیل معاشرہ ہے جس میں دین و مذہب کو ایک کونے میں رکھ کر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا ان کی اوّلین ضرورت ہے۔ان حالات کے باوجود پورے ملک میں آج بھی مجلس احرار اسلام ہی ایک ایسی جماعت ہے جو حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی خواہاں ہے اور پورے ملک میں تبلیغ وتحریک کے ذریعے لوگوں کو اس سلسلے میں اپنا ہم نوا بنانے میں مصروف کار ہے۔مجلس احرار اسلام آج بھی پہلے سے بڑھ کر اسی بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہمارے تمام دکھوں کا علاج حکومتِ الٰہیہ کے قیام میں ہے۔اور ہمارے سیاسی، معاشی اور معاشرتی تمام مسائل اگر حل ہو سکتے ہیں تو صرف اور صرف اسلام کے نفاذ کے ذریعے ہی۔کسی اور طریقے سے ان مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا۔''خدا کی دھرتی پر خدا کا نظام'' مجلس احرار اسلام کا نصب العین ہے۔امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بمبئی میں ''ہلال نو'' کے دفتر میں کسی کو آٹو گراف دیتے ہوئے لکھا تھا کہ ''مخلوق میں جب تک خالق کا نظام نہیں چلایا جائے گا دنیا میں امن نہ ہوگا'' اور یہی بات مجلس احرار اسلام کا مقصد، نصب العین اور مؤقف ہے۔آیئے اب آپ کو مصوّرِ پاکستان کے ان افکار وخیالات سے متعارف کرائیں جو انہوں نے اپنی تحریروں اور اپنے اشعار کے ذریعے مسلمانوں کے سامنے پیش کئے۔ جن سے یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ان کے یہ خیالات مجلس احرار اسلام کے نصب العین قیام حکومت الٰہیہ کی زبردست تائید وحمایت ہے۔

اقبال ''تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ'' میں تحریر کرتے ہیں:

> ''اسلام بحیثیت ایک نظامِ سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے۔اس کا مطالبۂ وفاداری خدا کے لیے ہے۔نہ کہ تاج وتخت کے لیے اور چونکہ ذاتِ باری تمام زندگی کی روحانی اساس سے عبارت ہے۔اس لیے اس کی اطاعت کیشی کا درحقیقت یہ مطلب ہے کہ انسان خود اپنی معیاری فطرت (اعلیٰ صفات) کی اطاعت کیشی اختیار کرتا ہے۔''

اقبال جمہوریت کے واضح طور پر مخالف ہیں۔اور حکومت الٰہیہ کے پرچارک۔علامہ اقبال کے نزدیک جمہوریت میں عوام کو دنیاوی اقتدار کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔جس میں اکثریت کا ہر حکم چاہے وہ کتنا ہی غلط اور گمراہ کن ہی کیوں نہ ہو ہر انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اس طرح انسانی ضمیر کی آواز جو ہمیشہ حق کی تائید میں بلند ہوتی ہے اور جس پر انسان کی سیاسی اور عمرانی ترقی کا دارومدار ہے' اکثریت کے فیصلے کے نیچے دب کے رہ جاتی ہے۔علامہ اقبال کے نزدیک حکومت کی کوئی طرز کوئی مطلق حیثیت نہیں رکھتی۔ ہر طرح کی حکومت اچھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ عدل اور اعتدال کے اصولوں پر عمل پیرا ہو۔اور قوانین الٰہی کو پسِ پشت نہ ڈالے۔جو علامہ اقبال کے نزدیک فطری قوانین ہیں اور جنھیں ہر جماعت اپنے مزاج اور اصولوں کے مطابق ڈھال سکتی ہے۔اقبال اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اگر بجائے مشیت عامہ کے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حاکمیت یا اقتدار کا ماخذ ذاتِ باری تعالیٰ ہے تو اس سے انسانی آزادی اور انسانی ضمیر کی آزادی خود بخود محفوظ رہتی ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین اوصاف کے ذریعے ہی قانون الٰہی کی مجاز ہے اس طرح جماعت کی ترقی کے راستے بھی مسدود ہونے سے بچ جاتے

ہیں۔غرضیکہ اقبال کے نزدیک مملکتی اقتدار کا ماخذ ذاتِ باری تعالیٰ ہے نہ کہ کوئی جماعت' چاہے وہ کسی نقطۂ نظر میں کتنی ہی زیادہ اکثریت اپنے جلو میں رکھتی ہو۔

علامہ اقبال اصلی اور بنیادی حاکم اسی کو مانتے ہیں جو دنیاوی اعتبارات سے پاک ہو اور اپنے اختیارات میں مطلق محض' لازوال و منفرد اور جامع ہو، اسی ذات کے آگے ہی فطرت انسانی اپنا سر جھکانے میں دلی تسکین اور اپنی عافیت سمجھتی ہے۔ ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتانِ آذری

علامہ اقبال کے نزدیک انسانی زنجیروں کو توڑنے کے لیے اور انسان پر انسان کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے رمزِ لاالٰہ سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان کسی قسم کی سعادت سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ ؎

تا نہ رمزِ لاالٰہ آید بدست　　بندِ غیر اللہ را نتواں شکست
نقطۂ او دارِ عالم لا الٰہ　　انتہائے کارِ عالم لا الٰہ
لا و الاّ احتسابِ کائنات　　لا و الاّ فتح یاب کائنات

اقبال کے نزدیک مملکت یا حکومت کا اقتدار اور اس کی ہمہ گیریت ہمیشہ مشروط رہی ہے اور اسلامی روایات میں بھی مشروط ہی ہے اور یہ شرط الحکم للہ اور الملک اللہ کے حکم اور ملک اللہ تعالیٰ کا ہے۔کسی فرد، کسی گروہ، کسی جماعت، کسی نظریے، کسی فلسفے یا کسی اکثریت و اقلیت کا نہیں ہے۔علامہ اقبال توحید کو ہی ایسا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔جس کے اپنانے سے افراد کے اندر لاہوتی صفات پیدا ہوتی ہیں۔اور یہی وہ صفات ہیں۔جن سے قوموں اور ملّتوں کو قوت و جبروت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ ؎

ملتے چُوں می شود توحید مست　　قوت و جبروت می آید بدست
فرد از توحید لاہوتی شود　　ملت از توحید جبروتی شود
ہر دو از توحید می گیرد کمال　　زندگی ایں را جلال آں را جمال

اقبال کے نزدیک اسلام میں سرمایہ یا ملکیت کا تصور بھی وہی ہے، جو دینِ اسلام بیان کرتا ہے۔سرمایہ اور ملکیت امانت خداوندی ہے اور وسائل دولت پر کسی فرد یا پھر کسی ایک جماعت کو تصرف حاصل نہیں ہے۔بلکہ خدا کو ہی یہ حق حاصل ہے۔انسان جیسے جیسے ترقی کی راہ پر گامزن ہوگا' ذاتِ باری تعالیٰ کو اپنا مقصود و منتہا سمجھتا رہے گا۔اور ہر زمانہ انسانی صفاتِ عالیہ کو متعیّن کرے گا۔اور یہ فیصلہ کرے گا کہ کونسا طریقہ تمدنی ضروریات کے لیے مفید اور مناسب ہے۔اس لیے اقبال اس بات پر صدق دل سے یقین رکھتے ہیں کہ اسلام میں سیاست ہو یا پھر معیشت دونوں میں کوئی قطعیت نہیں ہے۔لیکن بنیادی اصول واضح طور پر بیان کر دیئے گئے جن کی پاسداری ضروری اور لازمی قرار دے دی گئی ہے۔اداروں کی شکلیں بدلتی رہیں گی اور ان میں احوال کے مطابق تبدیلی بھی ہوتی رہے گی لیکن بنیادی اصول نہیں بدلیں گے۔جس طرح سیاست میں حقیقی

حاکمیت ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے اسی طرح وسائلِ معیشت بھی اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں۔ جن سے انسان بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے استفادہ تو کرسکتا ہے لیکن معیشت کے میدان میں اپنی من مانی نہیں کرسکتا۔ جس طرح حاکمیت کا معیار انسانی صفاتِ عالیہ ہیں۔ اسی طرح اسباب معیشت کی فراہمی بھی اخلاقی اصولوں کے مطابق ہے باوجود یہ کہ اسباب معیشت کو مہیا کرنے میں انسانی تگ ودو ایک بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور اس میں انسانی ارادے کو بھی بڑا دخل حاصل ہے لیکن اگر ذاتِ باری تعالیٰ نے فطری وسائل اور سہولتیں انسان کو فراہم نہ کی ہوتیں تو انسان کی ساری کاوشیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ جیسا کہ ''الارض للہ'' کا بنیادی نکتہ اس کی نشان دہی کرتا ہے اور جس کو علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون　　کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ سازگار　　خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے نورِ آفتاب
کس نے بھردی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب　　موسموں کو کس نے سکھائی ہے خوئے انقلاب
دہ خدایا ! یہ زمیں تیری نہیں ' تیری نہیں　　تیرے آبا کی نہیں، تیری نہیں ، میری نہیں

دوسری جگہ اسی بات کو ایک اور طریقے سے یوں بیان کیا ہے ؎

رزقِ خود را از زمیں برون زوا است　　ایں متاعِ بندہ و ملکِ خدا است
بندۂ مومن امیں ' حق مالک است　　غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است
باطنِ الارض للہ ظاہر است　　ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

اقبال اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ اسبابِ معیشت کی فراہمی اخلاق کے اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے اور یہ اس وقت تک سرے سے ممکن ہی نہیں ہے جب تک یہ بات دلی طور پر تسلیم نہ کرلی جائے کہ ہر شے پر حاکمیت اعلیٰ ذاتِ باری تعالیٰ کی ہے اور اسی اصول پر فرد اور جماعت کے حقوق کا تعین معاشرے میں ایک اعتدال اور توازن پیدا کرتا ہے۔ قرآن پاک اس بات کا اعلان کررہا ہے۔

''اور زمین کو اللہ نے جمہور کے لیے بنایا'' (سورہ الرحمٰن)

یہ بات دین اسلام کی انقلابی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو جو معیشت کے میدان میں پیدائش دولت کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ ہے وہ بظاہر جمہور کا ہوتے ہوئے بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان اس میں من مانی نہ کرے۔ بلکہ انسان اس سلسلے میں اس ضابطۂ اخلاق کا پابند رہے جو دین اسلام نے بتادیا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نہ ہی تو جاگیرداری کا قائل ہے اور نہ سرمایہ داری یا سرمایہ پرستی کا قائل ہے۔ اگر ان خطوط کی روشنی میں معاشی مسائل کا حل تلاش کیا جائے تو آج کے انسان کو جو کہ معاشی مسائل کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے بڑی کامیابی کے ساتھ باہر نکالا جاسکتا ہے۔

اقبال نے اپنی نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں شیطان کی طرف سے یہ بات کہلوائی کہ اسلام سے اسے زبردست

خطرہ ہے یہ ایک انقلابی دین ہے۔اس کے تمام بنیادی اصول انتہائی انقلاب انگیز ہیں اوران بنیادی اصولوں کی گہرائی اتنی زیادہ ہے کہ وہاں تک پہنچنا سرے سے میرے لیے ممکن ہی نہیں ۔ اسلام نے تقویٰ کے ذریعے دولت جیسی مہلک اور ضرررساں چیز کو پاک اورصاف کردیا ہے کہ دولت اگر مردِمومن کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو پورے معاشرے کے لیے باعثِ رحمت بن جاتی ہے اوراگر غیرمومن کے ہاتھ آجائے تو یہی دولت باعثِ زحمت بن جاتی ہے۔ ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف　　منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب　　بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

سیاست ومعیشت دواہم ستون ہیں جن پر معاشرے کی عمارت استوار ہوتی ہے اوران دونوں ستونوں کے بارے میں جو کچھ اقبال نے کہہ دیا ہے وہ نظامِ حکومتِ الٰہیہ کی پوری وضاحت ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ میں اقتدار اور نظم معیشت دونوں انسانوں کے اپنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اورانسان ان دونوں کو انہی لائنوں پر استعمال کرسکتا ہے جس کا اعلان قرآن وحدیث میں موجود ہے۔

آج اگر ہم معاشی میدان میں زمین اور سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھ کر اپنے نظمِ معیشت کو استوار کریں تو ایک ایسا نظامِ معیشت ترتیب پائے گا جس کے تحت کوئی شخص رزق سے محروم نہیں رہ سکتا۔کائنات اوراس کے وسائل اتنے وسیع ہیں کہ اگر انسانی عقل وشعور دین اسلام کی قیادت میں کام کرے تو زندگی کو آسان اور سہل بنانے کے ساتھ ساتھ انسان کی نجاتِ اخروی کا بھی ذریعہ بن سکتی ہے دین اسلام کہتا ہے کہ

جب ذاتِ باری تعالیٰ رزق کی مالک ہے تو پھر طلبِ رزق میں غیر اللہ کا عمل دخل شرفِ انسانیت کے روشن چہرے پر حرص وہوس کا داغ کیوں لگائے؟

مضمون کے آخری حصے میں یہ بات بیان کردینا ضروری ہے کہ اس وقت حکومتِ الٰہیہ کے قیام میں دو چیزیں رکاوٹ پیدا کررہی ہیں۔ایک وطن پرستی اور دوسری جمہوریت۔جس کے بارے میں امریکی صدر ابراہم لنکن نے اُس وقت تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔''عوام کی حکومت،عوام کے ذریعے،عوام کے لیے!'' ہمارے ملک میں جمہوریت کی یہ تعریف اب یوں ہوچکی ہے''سرمایہ داروں کی حکومت،سرمایہ داروں کے ذریعے،سرمایہ داروں کے لیے'' چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے وطن پرستی اور جمہوریت کے خلاف نہایت کھل کر لکھا ہے اور برملا کہا ہے کہ دونوں انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے انتہائی مضر تصورات ہیں۔وطن پرستی کا جذبہ انسان کو خدا پرستی سے دور لے جاتا ہے اور قومیت کے نام پر انسانیت کو سب سے زیادہ نقصان اسی وطن پرستی کے جذبے نے ہی پہنچائے ہیں۔پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں انسانوں کا قتل اسی قوم پرستی کی وجہ سے ہوا اور آج بھی دنیا کے اندر جو کچھ ہورہا ہے اور جو آگ دنیا کے اندر امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل نے لگا رکھی ہے اس کی بنیادی وجہ دین دشمنی کے ساتھ ساتھ وطن پرستی بھی ہے۔اقبال نے کھل کر اس کے خلاف کہا ہے۔ ؎

اس دور میں مئے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب ِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے

اوراس کے ساتھ جمہوریت کوبھی علامہ اقبال نے آڑے ہاتھوں لیا۔ یہ جمہوریت وہ خوبصورت نازنین ہے جو اپنی دلفریب اداؤں سے راہ چلتے مسافروں کو لبھاتی تو ضرور ہے لیکن نبھاتی کسی سے بھی نہیں۔ جمہوریت کا نہ اپنا کوئی دستور ہے نہ کوئی واضح مؤقف، یہ نظامِ سرمایہ داری کا سیاسی لازمہ ہے جو نظام سرمایہ داری کو مضبوط و مستحکم بنیادیں فراہم کر کے اس کے تصرفِ بے جا کو آب و دانہ مہیا کرتا ہے۔ جمہوریت حکومت کو، سیاست کو دین سے جدا کرنے کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔ جس کے خلاف اقبال نے بہت کچھ کہا ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
متاعِ معنیٔ بیگانہ از دُو فطرتاں جوئی
زموراں شوخیٔ طبع سلیمانے نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس الاماں
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری
اس سرابِ رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تُو
آہ! اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تُو

ایک اور جگہ اس طرح ارشاد فرمایا:

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر